رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح تمدن کی بنیاد رکھی

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح تمدن کی بنیاد رکھی

۶۔ نومبر کو سیرت النبیؐ کا جلسہ جو قادیان میں ہؤا اس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

تشہد و تعوّذ اور بسم اللہ کے بعد یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ہُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔[1]

پیچش کی وجہ سے مجھے طبی اجازت تو نہیں تھی کہ اس موقع پر کچھ کہتا لیکن دنیا میں انسان ہر وقت دلیل کے تابع نہیں ہوتا بلکہ کبھی جذبات کے تابع بھی ہوتا ہے اور یہ جذبات اور عقل کا جال ایسے رنگ میں پھیلا ہوا ہے کہ اس میں صحیح امتیاز اور فرق کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ پس میرے جذبات نے عقل کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اسے یہی جواب دیا کہ تیرے لئے ایسے حکم چلانے کے اور بہت سے مواقع ہیں آج ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ تم اپنے لئے کوئی اور موقع تلاش کر لینا۔ اور اس میں شبہ کیا ہے کہ ایسے وجود کے ذکر کے موقع پر جس کی زندگی جہاں ایک طرف عقل و خرد کی بہترین مثال ہے وہاں اس کے ذریعہ جذبات کا بھی نہایت پاکیزہ طور پر ظہور ہؤا اور یہ جذباتی تمثال ایسی ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دنیا میں خالی عقل نے کبھی زندگی نہیں پائی۔ زندگی ہمیشہ عشق نے پائی ہے‘ جذبات نے

پائی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے فلاسفر اور عاشق گزرے ہیں لیکن جو حکومت عشاق نے لوگوں کے دلوں پر کی وہ فلاسفروں کو حاصل نہ ہوئی۔ انبیاء میں حقیقی عشق کی جو مثالیں ہیں انہیں نظر انداز کر دو اور مجازی عشق ہی کو لے لو۔ دنیا میں کتنے آدمی ہیں جو ارسطو یا افلاطون کی باتوں کو جانتے ہیں یا ان کا نام بھی جانتے ہیں مگر کتنے ہیں جو مجنوں اور لیلیٰ کو جانتے ہیں اور کتنے ہیں جو ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ ہو گا جہاں شاعر نہ ہوں اور یہ شاعر کون ہیں؟ لیلیٰ اور مجنوں کے شاگرد۔ اور ان میں سے ان کو الگ کر کے جن کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں علیحدہ کر دیا ہے اور جو دین کی خدمت یا اسے تازہ کرنے کے لئے شعر لکھتے ہیں باقی تمام وہی ہیں جو لیلیٰ و مجنوں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ لیلیٰ و مجنوں نہیں ہوتے لیکن تم جس وقت ان کا کلام سنو گے تو ایسا معلوم ہو گا گویا انہوں نے کبھی کھانا ہی نہیں کھایا، کبھی تکیہ سے سر نہیں اٹھایا کہ ساری رات ان کی آنکھیں نہ کھلی رہی ہوں اور ان کی آنکھیں کبھی خشک نہیں ہوئیں، جگر اور دل ان کے جسم میں ہے ہی نہیں، مدتیں ہوئیں کچھ خون بن کر اور کچھ پانی بن کر بہہ چکا ہے اور وہ جیتا جاگتا وجود ہے جو تمہارے سامنے بیٹھا ہو گا، کئی دفعہ مرا اور دفن ہو چکا اور اس کے معشوق نے آکر اس کی قبر کو ٹھکرا دیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لیلیٰ و مجنوں کو بھی عشق میں پیچھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ تو جتنے دلوں پر عشق نے قبضہ کیا ہے عقل نے نہیں کیا۔ پس ایسا انسان جس نے عقل کے میدان میں ہی اپنی برتری ثابت نہیں کی بلکہ جذبات کے میدان میں بھی سب عاشقوں سے آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ کوئی بھی عاشق عشق میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کے ذکر کے موقع پر عقل کی بات ماننے سے آج اس نے انکار کر دیا۔

خدا تعالیٰ کے عشق کو جانے دو کیونکہ وہ عام لوگوں کی رسائی سے بالا ہوتا ہے، انسانی عشق کو لے لو۔ مجنوں کیا تھا ایک عورت کا عاشق تھا۔ اس کا عشق باغرض تھا وہ اس سے متمتع ہونا چاہتا تھا۔ اس کے حسن سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ کا عشق جو دنیا سے تھا، وہ کسی فائدہ کی غرض سے نہ تھا، تمتّع کے خیال سے نہ تھا اور پھر وہ ایک دو سے نہیں، دوستوں اور پیاروں سے نہیں، حسینوں سے نہیں بلکہ سب سے تھا بلکہ بدصورتوں سے زیادہ تھا۔ قرآن کریم میں آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [2] اے محمد (ﷺ) شاید تُو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا۔ ان خوبصورتوں کے لئے نہیں جنہوں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی طرح ایمان لا کر اپنے چہروں کو منور کر لیا

تھا بلکہ ان بدصورت اور بھونڈی شکل کے لوگوں کے لئے جنہیں دیکھ کر گھن آتی تھی۔ جنہیں دیکھ کر روحانی شخص کو متلی ہو جاتی تھی جیسے عتبہ، شیبہ، ابوجہل وغیرہ تو ان کے عشق میں مرا جاتا ہے کہ کیوں ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مجنوں کا عشق اس کے مقابلہ میں کیا ہے۔ اس نے اس سے محبت کی جس کی شکل اسے پسند تھی لیکن محمد رسول اللہ کا عشق ان لوگوں سے بھی تھا جن کی روحانی شکل آپ کو ناپسند تھی۔ پس ایسا جذباتی انسان جس کا عشق کسی ایک سے نہیں ساری دنیا سے وابستہ ہے آج ہی کے لوگوں سے نہیں بلکہ آئندہ زمانوں سے بھی ہے جیسا کہ فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ یعنی محمد رسول اللہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کو ہی فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی جو ابھی پیدا نہیں ہوئے مفید بننا چاہتا ہے۔

پس غور کرو جذباتی دنیا میں اس کا وجود کتنا عظیم الشان ہے اس کے عشق کی انتہا ہی نہیں۔ وہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی آگ سلگاتا ہے۔ پھر اس سے آسمانوں کی طرف پرواز کرتا ہے اور اس کی روح خدا کے آستانہ پر جاگرتی ہے اور اس کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت سے چنگاری لیتی ہے گویا محدود محبت غیر محدود محبت کو کھینچتی ہے اور پھر دنیا میں آتی ہے اور بعینہٖ اسی طرح جس طرح مشرق سے نکل کر آفتاب کی شعائیں روئے زمین پر پھیلنی شروع ہو جاتی ہیں اس کی محبت بھی پھیلتی ہے۔ مشرق و مغرب، گورے اور کالے، خوبصورت اور بدصورت سب کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔ پھر وہ مکان کی حدبندیوں کو توڑتی ہوئی نکل جاتی ہے اور صدیوں کے بعد صدیاں گزرتی ہیں مگر وہ محبت ختم نہیں ہوتی اور نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو دنیا سے اٹھا لے۔ پھر یہ ایک وقت کی بات نہیں یوں تو ہر نیک بندے پر محبت کے ایام کبھی کبھی آتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے متعلق آتا ہے کہ آپ ایک دفعہ اپنے شاگردوں کے ساتھ جا رہے تھے راستہ میں ایک خوبصورت لڑکا گزرا آپ نے آگے بڑھ کر اس کا منہ چوم لیا۔ اس پر شاگردوں نے بھی ایسا ہی کرنا شروع کر دیا کہ شاید اس میں جلوۂ الٰہی ہو۔ ایک شاگرد جو آپ کے خاص منظورِ نظر تھے انہوں نے ایسا نہ کیا باقیوں نے اس پر چہ میگوئیاں شروع کیں۔ آگے چلے تو ایک بھٹیاری بھٹی میں آگ جلا رہی تھی اور پتوں کی آگ کے شعلے جیسا کہ بہت بلند ہوتے ہیں نکل رہے تھے جو ایک خوبصورت نظارہ پیش کر رہے تھے۔ آپ کھڑے ہو کر اسے دیکھتے رہے پھر جُھکے اور شُعلہ کو بوسہ دیا۔ اس وقت اس شاگرد نے بھی شُعلہ کو چوما جس نے لڑکے کو نہیں چُوما تھا لیکن باقی شاگرد کھڑے رہے اور کسی کو

جرأت نہ ہوئی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے خوبصورت بچے کو چوما تھا کیونکہ چھوٹا بچہ سب کو پیارا لگتا ہے، حالانکہ خواجہ صاحب کو اس میں خدا کا جلوہ نظر آتا تھا، اس لئے انہوں نے اسے چوما تھا لیکن مجھے چونکہ نظر نہ آیا، اس لئے میں نے نہ چوما۔ اب اس آگ میں مجھے نظر آیا اور میں نے اسے چوم لیا اور یہاں آپ کی اتباع کی لیکن وہاں میری آنکھیں نہ کھلیں، اس لئے نہ کی لیکن تم نے ہوا و ہوس کے ماتحت بچہ کو چوما تھا۔ تو وقتی طور پر ہر بزرگ پر ایسا وقت آتا ہے کہ بنی نوع انسان کی محبت سے وہ لبریز ہو جاتا ہے مگر محمد رسول اللہ کی محبت وقتی نہ تھی۔ وہ آپ کی روح اور جسم کا ایک حصہ تھی جس کا پتہ اس سے لگتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے لَعَنَ اللّٰهُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ مَسْجِدًا [۳] یعنی خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ گویا آپ کے دل میں تڑپ تھی کہ یہود و نصاریٰ کیوں اپنے لئے جہنم خرید رہے ہیں اور پھر اپنے ماننے والوں کو تنبیہہ کی کہ وہ ایسا نہ کریں۔ گویا سکراتِ موت کے وقت بھی آپ کے اندر مسلمان اور کفار دونوں کی محبت کا جلوہ تھا۔ ایک طرف یہود و نصاریٰ کو شرک سے بچانے کا درد تھا اور دوسری طرف یہ درد تھا کہ یہی غلطی میرے ماننے والے بھی نہ کریں۔ غرض آپ کی ساری زندگی یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کے ہر طبقہ کے لئے ہمدردی رکھتے تھے۔

آج کے لئے جو مضامین مقرر کئے گئے ہیں وہ دو ہیں ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تمدن کی بنیاد مستحکم اصول پر رکھی اور دوسرے یہ کہ آپ نے احکام کی حکمتیں بیان کیں۔ یہ دونوں اکٹھے بھی بیان ہو سکتے ہیں اور الگ الگ بھی۔ لیکن میں اکٹھا ہی بیان کروں گا۔ میرے نزدیک تو وہ شخص جس کے دل میں انسان کی محبت ہے یعنی بنی نوع انسان کی، ایک فرد یا بعض افراد کی نہیں بلکہ سب کے سب کی ہو اس کے کام یقیناً ایسی حکمت پر مبنی ہوں گے جو فائدہ کا موجب ہو۔ انسان تبھی بے عقلی کا کام کرتا ہے جب وہ اپنے خود ساختہ اصول کو مقدم رکھے اور بنی نوع انسان کے فائدہ کو موخر کرے۔ ایسا شخص جب بھی کوئی فیصلہ کرے گا ضرور نامعقول باتیں کرے گا۔ لیکن جو بنی نوع انسان کا فائدہ چاہتا ہے اس کے اصول میں بعض اوقات تغیر و تبدل بھی ہو گا۔ مثلاً ایک بچہ بیمار ہے طبیب اور ماں باپ دونوں کا اس سے تعلق ہے۔ اگر ڈاکٹر کی دوائی سے فائدہ نہیں پہنچتا تو ماں باپ چاہیں گے کہ کسی طبیب کو بھی مشورہ

کے لئے بلالیں لیکن ڈاکٹر کہے گا کہ اگر طبیب کو بلاتے ہو تو میں جاتا ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسے بچہ کی جان بچانے سے کوئی غرض نہیں وہ صرف اپنے اصول کی برتری منوانا چاہتا ہے۔ یہی حال اطبّاء کا ہے۔ حضرت خلیفہ اول ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔(اب تو اطبّاء بھی انگریزی ادویہ کا استعمال کرنے لگ گئے ہیں مگر پہلے ان کا تعصّب ڈاکٹروں سے بھی بڑھا ہوا تھا)۔ ایک رئیس کا بچہ بیمار تھا اس نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ فرماتے میں گیا تو سِول سرجن بھی وہاں موجود تھا۔ وہ تھرمامیٹر لگا کر ٹمپریچر دیکھنا چاہتا تھا مگر ان کا خاندانی طبیب کہہ رہا تھا میں جاتا ہوں۔ انگریزی ادویہ تمام گرم خشک ہوتی ہیں تھرمامیٹر سے بچہ مرجائے گا۔ رئیس نے آپ سے کہا حکیم صاحب کو سمجھائیں۔ آپ نے کہا۔ حکیم صاحب بے شک انگریزی ادویہ گرم خشک ہوتی ہیں مگر یہ دوائی نہیں' یہ تو آلہ ہے لیکن حکیم صاحب کہاں مانتے تھے۔ کہنے لگے انگریزوں کی ہر چیز گرم خشک ہوتی ہے' میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ اب کوئی ماں باپ ایسا نہیں کر سکتے۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہوگی کہ طب یونانی جیتتی ہے یا انگریزی۔ ان کا مقصود تو یہ ہوگا کہ جس طرح بھی ہو بچے کی جان بچ جائے اس لئے ماں باپ کی رائے زیادہ صحیح ہوتی ہے اور **اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہُ** عام طور پر لوگ اس بات کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ اچھا ڈاکٹر اور اچھا وکیل کونسا ہوتا ہے۔ تو جو شخص بنی نوع انسان کی محبت اپنے دل میں رکھے گا اس کے اصول یقیناً صحیح ہوں گے۔ قطع نظر اس سے کہ الٰہی کلام صحیح ہونا چاہئے اگر فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احساس دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ جتنی محبت ہو' اتنا ہی زیادہ اس چیز کا مطالعہ ہوگا اور اس لئے اس کا فائدہ بھی زیادہ ملحوظ رہے گا اور جس کے دل میں بنی نوع انسان کا عشق ہوگا اس کے اصول کی بنیاد زیادہ مستحکم ہوگی اور وہی بات ہوگی کہ:۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

جس کے دل میں عشق کی لَو لگی ہوگی اسے ہردم یہی خیال ہوگا کہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے اور یہی مقصد پیش نظر رہے گا کہ اپنے معشوقوں کو دکھ درد سے بچایا جائے۔ اس وقت یہ بات ہوگی کہ

ثبت است برجریدۂ عالَم دوامِ ما

اور ایسا شخص جس کا دل عشق سے زندہ ہو' وہ اپنے پیچھے ایسی باتیں چھوڑے گا جو کبھی مٹ

نہیں سکتیں۔

پس رسول کریم ﷺ نے جو اصول الہاماً بتائے یا الہام سے استنباط کر کے بتائے' ان کا استحکام عشق کے مطابق ہے اور عشق چونکہ غیر محدود استحکام رکھتا ہے' اس لئے ان اصول کا استحکام بھی غیر محدود ہے اور چونکہ ان کی بنیاد عشق ہے اس لئے کہنا پڑے گا کہ اسلامی اصول کی بنیاد حکمت پر ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے سیدھے چلتے جاؤ وہاں تمہیں فلاں چیز ملے گی۔ اب سیدھے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرف بھی انسان منہ کرے آگے سیدھا ہی ہو گا لیکن ایک اور شخص ہے جو ایک راستہ بتاتا ہے اور ساتھ ہی نقشہ دے دیتا ہے کہ اس کے مطابق چلے جاؤ اب اس پر عمل کرنے سے کامیابی ہوگی۔ لیکن غیر معیّن بات کبھی کامرانی کا موجب نہیں ہو سکتی۔ فرض کرو۔ ایک جرنیل حکم دیتا ہے کہ بہرحال تم نے فلاں جگہ پہنچنا ہے لیکن ایک جرنیل ساتھ ہی مزید راہنمائی کیلئے یہ بھی بتا دیتا ہے کہ پیش آمدہ متوقع مشکلات پر کس طرح قابو پایا جائے نتیجہ یہ ہو گا کہ بہرحال پہنچنے کا حکم دینے والے کی فوج کو جہاں کوئی روک پیش آئے گی مشکل میں پڑ جائے گی لیکن دوسرے کو زیادہ کامیابی ہوگی کیونکہ اس کے احکام حکمت پر مبنی ہوں گے اور دوام ہمیشہ حکمت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ پس یہ دونوں مضمون مشترک ہیں اس لئے میں تمدن کی بعض باتوں کو لے لیتا ہوں اور ان کے اندر ہی دوسری باتیں بھی آجائیں گی۔

تمدن کے معنی ہیں۔ مدنیت' شہریت' چند آدمیوں کا مل کر رہنا۔ جب چند آدمی مل کر رہیں تو کئی قسم کی دقتیں پیش آتی ہیں کیونکہ ہر شخص کی خواہشات دوسرے کے تابع نہیں ہوتیں اور بسا اوقات ٹکرا جاتی ہیں۔ مثلاً ایک پھول ہے۔ دو آدمیوں کی خواہش ہے کہ اسے حاصل کریں۔ اب اگر وہ مل کر رہنا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا قانون ہونا چاہئے جو یہ بتائے کہ وہ کون لے۔ اکٹھے مل کر رہنے کے لئے کوئی اصول مقرر کر کے ان پر چلنا ہو گا۔ وگرنہ سر پھٹول جاری ہو جائے گی اور اسی غرض سے دنیا نے کئی انتظام کئے ہیں۔ تمدن کے دوام کیلئے عورت مرد مل کر رہتے ہیں جو میاں بیوی کہلاتے ہیں وہ آئندہ نسل کی ذمہ داری اپنے سر پر لیتے ہیں اسے خاندان کہا جاتا ہے۔ پھر محلہ والوں کے ساتھ تعلقات کو نظام میں لانے کے لئے اور قوانین کی ضرورت ہے۔ پھر ان قوانین پر عمل کرانے کے لئے راجہ یا نواب یا بادشاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ایک دوسرے سے لین دین' شادی غمی' موت پیدائش وغیرہ معاملات کے لئے آئین و ضوابط ضروری ہیں اس کے لئے قضاء یا ججوں وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے۔ گویا ان

قوانین کا نام جن سے بنی نوع انسان آرام سے رہ سکیں اور باہمی جھگڑے دور ہو جائیں تمدن ہے۔

اس کے متعلق پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس انتظام کو لوگ قبول کیوں کریں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قانون فلاں نے اس لئے بنایا ہے کہ مجھے نقصان پہنچائے میں اسے نہیں مانتا۔ تمدن قائم کرنے والے کہتے ہیں ایسی مشکلات کو دور کرنے کیلئے بادشاہ چاہئے جس کے پاس فوج اور پولیس ہو تاکہ لوگوں کو سزا دے کر ٹھیک کر دے۔ مگر کہا جا سکتا ہے کہ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس جس کے پاس زیادہ زور ہو گا وہی حکومت کرے گا۔ اگر یہ اصول صحیح مان لیا جائے تو رعایا میں سے جس کا زور چلے گا وہ بھی چلائے گا اسے پھر ہم کس اصول کی بناء پر روک سکیں گے۔ اور یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آج تک دنیا نہیں دے سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بغاوت کو دور کرنے یا اسے ناجائز منوانے کیلئے دنیا کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ جو دلیل دی جائے باغی وہی بادشاہ پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ گویا جو تمدن کی بنیاد ہے اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ کیوں ایک دوسرے کی بات مانیں اور کیوں اپنا حق چھوڑ دیں۔ اس کا جواب دنیا معلوم نہیں کر سکی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ فرمایا دیکھو تمہارے تمدنی اختلافات کی بنیاد یہ ہے کہ ہم کیوں کر یہ مان لیں کہ جس کے ہاتھ میں فیصلہ کرنے کا کام ہے وہ منصف اور عادل ہے ممکن ہے وہ دشمن سے سختی اور دوست سے نرمی کا برتاؤ کرے پھر کس طرح تسلیم کر لیں کہ وہ صحیح فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا یہ دلیل ٹھیک ہے۔ واقعہ میں لوگوں کے فوائد اس طرح ہیں' کوئی کسی کا رشتہ دار ہے' کسی کی کسی سے دوستی اور کسی سے دشمنی اور بعض سے منافرت اس لئے ان حالات کی موجودگی میں انسانوں کے قواعد قابل اعتماد نہیں ہو سکتے اور وہ یقیناً غلط ہیں۔ دراصل تمدن کی بنیاد الہام پر ہونی چاہئے اور تمدنی قوانین اس ذات کی طرف سے ہونے چاہئیں جس کی نہ کسی سے رشتہ داری ہے اور نہ کسی سے دشمنی۔ عورتوں سے پوچھو کہتی ہیں مردوں کے ہاتھ میں چونکہ قانون بنانا ہے اس لئے جس طرح چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ ہندوستانی کہتے ہیں ملکی قوانین انگریزوں نے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانے کے لئے بنائے ہوئے ہیں اس لئے ہم سول نافرمانی کرتے ہیں۔ گاندھی جی کہتے ہیں ہم انگریزوں کا قانون نہیں مانتے وہ ہمارے مخالف ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے قوانین کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کو اس سے غرض نہیں کہ لنکا شائر کا کپڑا فروخت ہو یا نہ ہو اور

ہندوستان کی روئی بِکے یا نہ بِکے، نہ اسے کسی ملک کے نمک سے سروکار ہے اس کے نزدیک سب یکساں ہیں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آکر فرمایا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۴] خدا ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ سب چیزیں اسی سے طاقت پاتی ہیں۔ وہ جس قانون کو جاری کرتا ہے وہ ایسے سرچشمہ سے نور حاصل کرتا ہے کہ جو لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ [۵] جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آکر بتایا کہ دنیا میں کبھی امن نہیں ہو سکتا جب تک تمدن کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ باقیوں نے کہا ہم تمدنی قوانین بنائیں گے اور اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے تمدنی امور میں دخل دیا ہے۔ اب وہ لوگ دھکّے کھا کھا کر وہیں آ رہے ہیں جہاں اسلام لانا چاہتا ہے۔ تعلقات خواہ میاں بیوی کے ہوں یا ماں باپ کے، بھائی بھائی کے ہوں یا بہن بھائی کے، رعایا اور راعی کے ہوں یا مختلف حکومتوں کے سب میں دنیا اسلام کی طرف آ رہی ہے۔ پس پہلی بنیاد جو تمدن کے متعلق رسول کریم ﷺ نے رکھی وہ یہ تھی کہ تمدن کی بنیاد الہام پر ہونی چاہئے وَاِلاَّ بعض کو شکوہ رہے گا کہ بعض کی رعایت کی گئی ہے۔ اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جو تمدن رسول کریم ﷺ نے پیش کیا وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔ لیکن یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ واقعی خدا کی طرف سے ہے اس پر رعایت کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جو قوانین لوگ بناتے ہیں ان کے متعلق تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بنانے والے کو اس کا حق بھی تھا یا نہیں لیکن خدا تعالیٰ کے متعلق اس قسم کا اعتراض بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ قانون فی الواقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے جملہ تمدنی امور کے متعلق ایسے قوانین بنائے ہیں کہ ان میں کوئی رخنہ یا نقص نہیں نکالا جا سکتا اور ایسی تعلیم دی ہے کہ اس کے ذریعہ انسانوں کا باہم مل کر بیٹھنا ممکن ہو گیا ہے۔

دنیا میں تمدنی امور میں پہلی چیز شادی یعنی میاں بیوی کے تعلقات ہیں اسی سے نسلِ انسانی چلتی ہے اس کے متعلق ہی اسلامی تعلیم کو اگر دیکھ لیا جائے تو ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ دنیا میں شادی عام طور پر یا تو زور سے کی جاتی ہے یا محبت سے۔ زور سے شادی دو قسم کی ہوتی ہے یا تو مرد زبردستی کسی عورت سے شادی کر لے اور یا لڑکی کے والدین زبردستی جس سے چاہیں شادی کر دیں۔

بابل کی حکومت میں یہی قانون رائج تھا کہ لڑکیاں جب جوان ہو جاتیں تو والدین انہیں

مارکیٹ میں لاکر اس لئے کھڑا کر دیتے کہ ہم نے اسے پال پوس کر جوان کیا ہے اب کون اس کی زیادہ قیمت دیتا ہے اور جو ان کی منشاء کے مطابق قیمت دے دیتا وہ لے جاتا۔ لڑکی کو اس میں کوئی اختیار نہ تھا۔ ہمارے ملک میں بھی یہی رواج ہے۔ یہاں اگرچہ مارکیٹ میں تو نہیں لے جاتے مگر گھر میں قیمت لے لیتے ہیں۔ اگر کہو کہ لڑکی کو مارکیٹ میں لے جاؤ تو کہیں گے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ یہ کس طرح ہو سکتا ہے لیکن یوں گھر میں روپیہ لے لیں گے حالانکہ یہ حماقت ہے۔ اگر قیمت ہی لینی ہے تو زیادہ سے زیادہ لینی چاہئے۔ غالب نے کہا ہے۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

یعنی اگر مجھے سر ہی پھوڑنا ہے تو اے معشوق تیرے دروازہ پر ہی کیوں پھوڑوں۔ جہاں چاہوں پھوڑ سکتا ہوں۔ اسی طرح اگر لڑکیوں کو بیچنا ہی ہو تو زیادہ قیمت پر مارکیٹ میں کیوں نہ لے جائیں۔ ہمارے ملک میں نوے فیصدی زمیندار لڑکیوں کو بیچتے ہیں اس کے لئے باقاعدہ سودا کرتے ہیں اور دو سَو، چار سَو، پانچ سَو، ہزار غرض کہ جس قدر بھی قیمت مل سکے وصول کرتے ہیں۔ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے اچھا خاوند تلاش نہیں کرتے بلکہ جو زیادہ پیسہ دے اور اس طرح بسا اوقات جوان لڑکیاں بوڑھوں سے، شریف، بدمعاشوں سے، لائق نالائقوں سے اور عقلمند بیوقوفوں سے بیاہ دی جاتی ہیں۔ گویا ایک طریق زور سے شادی کر دینے کا تو یہ ہے کہ ماں باپ قیمت لے کر جہاں چاہیں لڑکی کو بیاہ دیں۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے خاوند کی اگر موت بھی ہو جائے تو لڑکی آزاد نہیں ہو سکتی اسے خاوند کے بھائی یا کسی اور رشتہ دار سے بیاہ دیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے قیمت ادا کر کے اسے خریدا ہوتا ہے۔ اور بیوہ ہو جانے کی صورت میں اگر ماں باپ اسے اپنے گھر لاتے ہیں تو چوری یا کسی حیلہ سے کیونکہ بصورت دیگر جہاں لڑکی بیاہی ہوتی ہے وہ ادا کردہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس طرح ایسی لڑکی نہ صرف خاوند کی زندگی میں بلکہ اس سے آزادی کے بعد بھی قید ہی ہوتی ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے جو ہندوؤں یا انگریزوں میں بھی رائج تھا کہ مرد جبر سے لے جائے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے اپنی لڑکیوں کو پیش کر دیتے کہ کون اسے چھین کر لے جاتا ہے اسے سوئمبر کی رسم کہا جاتا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے امیدوار ہو کر آتے۔ طاقتوں کا مظاہرہ کرتے اور جو سب کو مغلوب کر لیتا وہ اس لڑکی کا خاوند ہو جاتا۔ خواہ وہ بدصورت ہی ہو یا جاہل یا نقائص اخلاقی اپنے اندر رکھتا ہو۔ انگریزوں

میں لڑکی کی مرضی سے شادی کا دستور ہے مگر وہ مرضی بھی غیر مرضی کے برابر ہے۔ وہاں یہ طریق ہے کہ لڑکی لڑکا آپس میں ملیں ایک دوسرے سے محبت کریں اور جب پسند آ جائے تو شادی کر لیں۔ کسی اور کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ اور جیسا کہ میں نے کہا ہے چونکہ جذبات کی دنیا سب پر غالب ہے اس طریق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہنگامی جذبات کے ماتحت وہ اخلاق و شرافت وغیرہ تمام اوصاف بھول جاتے ہیں۔ صرف مال اور حُسن وغیرہ کو دیکھ کر شادی کر لیتے ہیں اور جذبات جب ابھرتے ہیں تو عقل اور ہوش و حواس کھو دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے چور' ڈاکو اپنے آپ کو شریف اور امیرزادہ ظاہر کر کے امراء کی لڑکیوں سے شادی کر لیتے ہیں اور پھر تباہ کر دیتے ہیں۔ سات آٹھ سال کا عرصہ ہوا اخباروں میں ایک شادی کا بہت چرچا رہا۔ جرمنی میں ایک شخص آیا اور اس نے اپنے آپ کو روس کا شہزادہ ظاہر کر کے قیصر جرمنی کی ہمشیرہ سے شادی کر لی حالانکہ وہ فی الواقع کسی باورچی خانہ میں برتن مانجھنے والا تھا جس نے کسی نہ کسی طریق سے روپیہ حاصل کر کے یہ فریب کیا جو جلد ہی ظاہر ہو گیا۔ تو محض اپنی مرضی کی شادی کا انجام بھی اچھا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس حالت میں اخلاق اور شرافت وغیرہ امور کو کوئی نہیں دیکھتا۔ مال و دولت یا حُسن پر لٹو ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے شادی کے متعلق جو تعلیم دی اس سے پہلے شادی کی حکمت بتائی اور پھر یہ بتایا کہ شادی کیونکر کرنی چاہئے۔ میاں بیوی کی ذمہ داریاں کھول کھول کر بیان کیں نتائج بتائے اور پھر بتایا کہ شادی دونوں کی مرضی سے ہونی چاہئے مگر اس طرح کہ اس میں ماں باپ کی مرضی بھی شامل ہو۔ اکیلے ماں باپ بھی اپنی مرضی سے اپنی لڑکی کی شادی نہیں کر سکتے مگر لڑکی بھی صرف اپنی مرضی سے ان کی مرضی کے بغیر نہیں کر سکتی۔ اگر صرف ماں باپ کی مرضی ہو تو بعض ماں باپ ایسے بھی ہوں گے جو صرف روپیہ دیکھیں گے لیکن لڑکی تو یہ بھی دیکھے گی کہ میری ساری ضرورتوں کو بھی پورا کر سکتا ہے یا نہیں۔ بعض شکلوں کو ہی بعض لڑکیاں برداشت نہیں کر سکتیں۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک لونڈی تھی جس نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے اپنے خاوند کی شکل اچھی نہیں لگتی۔ پھر ایک اور عورت کے متعلق آتا ہے کہ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) میں اس شخص کے ساتھ جس سے میری شادی کی گئی ہے' رہنا گوارا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ آپ نے علیحدگی کا حکم دے دیا۔ [۶] تو بسا اوقات بعض آدمیوں کی شکل سے عورتوں کو طبعاً نفرت ہوتی ہے۔ لڑکی ان باتوں کو دیکھ سکتی ہے اس لئے رسول کریم ﷺ نے شادی کی بنیاد اس امر پر

رکھی کہ دونوں کی مرضی سے ہو ماں باپ کی بھی اور لڑکی کی بھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر دونوں کی مرضی نہ ملے تو کیا کیا جائے۔ اگر لڑکی کو وہ پسند ہو مگر ماں باپ اپنے اغراض کے ماتحت وہاں اس کی شادی نہ کریں تو اسلام نے لڑکی کو اختیار دیا ہے وہ عدالت میں جاکر درخواست دے سکتی کہ میرے والد اپنے اغراض کے ماتحت مجھے اچھے رشتہ سے محروم رکھنا چاہتے ہیں اور عدالت تحقیقات کے بعد اسے اجازت دے سکتی ہے کہ شادی کرلے۔ گویا اس طرح سب کے حقوق محفوظ کرنے کا انتظام کر دیا گیا۔ لڑکی اور ماں باپ دونوں کی مرضی کو ضروری رکھا اور اس طرح کا رشتہ یقیناً مبارک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی شادیاں زیادہ کامیاب ہوتی ہیں۔ یورپ میں نوے فیصدی شادیاں ناکام ہوتی ہیں۔ حتّٰی کہ وہاں یہ لطیفہ مشہور ہے کہ اگر کوئی مرد و عورت اکٹھے جارہے ہوں تو کہتے ہیں یا تو یہ میاں بیوی نہیں یا ان کی شادی پر ابھی ایک ماہ نہیں گزرا۔ لیکن مسلمانوں میں نوے فیصدی شادیاں کامیاب ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں دیکھ لو، غیر قوموں کی عورتیں زیادہ نکلتی اور اغوا ہوتی ہیں سوائے ان قوموں کی عورتوں کے جن کی مالی یا اخلاقی حالت لوگوں نے خراب کردی ہے۔ غرض اسلام نے زوجیت کے تعلق کی ابتداء ایسے اصول پر رکھی کہ اس کی کوئی اور مثال نہیں مل سکتی۔ پھر دھوکے بازی سے بچنے کیلئے یہ حکم دیا کہ نکاح عَلَی الْاِعْلَان ہو۔ جو عَلَی الْاِعْلَان نہیں وہ نکاح ہی نہیں۔ اس سے بھی بہت سے فسادات کا انسداد ہو جاتا ہے۔ پوشیدہ طور پر تو کوئی غلط بات ظاہر کرکے دھوکا بھی دے سکتا ہے لیکن اعلان سے عام طور پر عیوب کھل جاتے ہیں۔ پھر تمدنی خرابیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ مرد چونکہ کماتا ہے دولت اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لئے وہ ناجائز طور پر عورت کو خرچ وغیرہ سے تنگ کر سکتا ہے اور عورت کو اس کا محتاج رہنا پڑتا ہے۔ یورپ نے اس کا یہ علاج تجویز کیا ہے کہ وہ نوکریاں کرنے لگ گئی ہیں نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ بعض ملکوں کی نسلیں کم ہونا شروع ہوگئی ہیں اور بعض ملکوں میں دس سال کے اندر چار، پانچ فیصدی نسل کم ہوگئی ہے۔ اسلام نے اس کا علاج یہ رکھا ہے کہ ہر شخص کی حیثیت کے مطابق عورت کا مہر مقرر کر دیا علاوہ اخراجات کے۔ گویا مہر عورت کا جیب خرچ ہے دوسری سب ضرورتیں پھر بھی خاوند کے ذمہ ہیں اور مہر اس کے علاوہ ہے۔ جس سے وہ ان ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے جو وہ خاوند کو نہیں بتانا چاہتی۔ مثلاً اس کے والدین غریب ہیں اور وہ ان کی مدد کرنا چاہتی ہے لیکن ساتھ ہی خاوند پر اپنی یہ خواہش ظاہر کرکے اس کی نظروں میں خود ذلیل ہونا اور والدین کو ذلیل

کرنا نہیں چاہتی۔ یا مثلاً اس کے والدین فوت ہو چکے ہیں اور وہ اپنے بھائیوں کو تعلیم دلانا چاہتی ہے اور ساتھ ہی اس کی غیرت یہ بھی برداشت نہیں کرتی کہ خاوند کا احسان برداشت کرے اس لئے اسلام نے پہلے دن سے عورت کے ہاتھ میں مال دے دیا۔ جس دن شادی ہوتی ہے خاوند کا مال کم ہو جاتا ہے کیونکہ اسے مہر کے علاوہ اور بھی اخراجات کرنے پڑتے ہیں لیکن نکاح کے ساتھ ہی عورت کا مال بڑھ جاتا ہے۔ گویا وہ اسی دن سے اس لحاظ سے خاوند کے بے جا تصرف سے آزاد ہو جاتی ہے اور اس طرح جو جھگڑے وغیرہ یورپ میں پیدا ہو رہے ہیں اسلام نے پہلے دن سے ہی ان کا انسداد کر دیا۔

پھر مرد و عورت کے تعلقات میں ایک وجۂ فساد یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں میرا بچہ نہیں اور یہ ایک ایسا نازک معاملہ ہے جس کا علاج کوئی نہیں کیونکہ اس بات کا کسی کے پاس کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی فی الواقعہ باہم ملے۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے بعض ذرائع تجویز کئے لیکن وہ نہایت گندے ہیں۔ مثلاً بعض اقوام میں یہ رواج ہے کہ ملوث پارچات دکھاتے ہیں لیکن یہ نہایت ہی خطرناک طریق ہے اور اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ بعض عورتوں کا خون نکلتا ہی نہیں اور چونکہ سب لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے گندے کپڑوں کی نمائش سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عورت بدکار تھی حالانکہ وہ ایسی نہیں ہوتی۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس کے لئے کیا لطیف طریق رکھا ہے اور وہ یہ کہ جب میاں بیوی ملیں تو اگلے روز ولیمہ کی دعوت کی جائے۔ اس طرح بغیر ایک لفظ منہ سے نکالے یہ اعلان ہو جاتا ہے کہ میاں بیوی آپس میں مل گئے ہیں۔

پھر ایک بات اسلام نے یہ رکھی کہ نکاح سے قبل استخارہ کر لو۔ رسول کریم ﷺ نے ہر اہم امر میں استخارہ کا حکم دیا ہے بالخصوص شادی کے بارے میں۔ [۱] اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلد بازی کے بُرے انجام سے انسان بچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ جلد بازی سے بھی کئی جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑا اچھا رشتہ ہے آج ہی کر لو لیکن مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ ان کے عیوب ظاہر نہ ہونے پائیں۔ لیکن اگر سات روز تک استخارہ کیا جائے تو اس عرصہ میں اور لوگوں سے بھی شادی کا ذکر آئے گا اور اس طرح بات کھل جائے گی۔ پھر استخارہ کی وجہ سے جذبات دب جاتے ہیں اور انسان روحانی تصرف کے ماتحت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے علاوہ ہے۔

شادی کے بعد پھر میاں بیوی کے تعلقات شروع ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی اسلام کا دیگر مذاہب کی تعلیم سے تصادم ہوتا ہے۔ باقی سب مذاہب اسے ناپاک قرار دیتے ہیں وہ اس کی اجازت بھی دیتے ہیں مگر اس کے باوجود اسے ادنیٰ اور ذلیل قرار دیتے اور شادی نہ کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فطرت سے مجبور ہو کر ان تعلقات کو قائم بھی کیا جاتا ہے مگر چونکہ دل میں یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ناپاک تعلقات ہیں اس لئے دل پر زنگ لگتا رہتا ہے کہ ہم یہ برا کام کر رہے ہیں۔ گاندھی جی نے لکھا ہے۔ میں جب بھی بیوی کے پاس جاتا تو میرے دل پر ایک بوجھ ہوتا کہ میں برا کام کر رہا ہوں۔ آخر ہم نے قسم کھائی کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے یہ ہندو دھرم کی تعلیم کا اثر تھا۔ ایک طرف تو فطرت میں ایسا جذبہ ہے۔ پھر اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔ صحت کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے لیکن دوسری طرف یہ خیال ہوتا ہے کہ بُری بات ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کام کرتے بھی ہیں اور دل سیاہ ہوتا جاتا ہے کہ ہم بُرا کام کر رہے ہیں۔ اسلام نے بتایا کہ یہ خیال غلط ہے۔ اگر اس خیال کے ماتحت تعلقات قائم کرو گے تو بچہ کے دل میں بھی یہ خیال ہوگا اور گناہ کی مُہر لے کر رحم مادر سے نکلے گا۔ اس کی بنیاد ہی گناہ پر ہوگی اور وہی مثال ہوگی کہ

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

بچے کی پیدائش کی بنیاد ہی جب گند پر ہوگی تو اس کا دل کبھی پاک نہ ہو سکے گا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ تعلقات پاکیزہ ہیں اور جو شادی نہیں کرتا وہ غلطی کرتا ہے۔ رہبانیت پسندیدہ چیز نہیں جس شخص نے شادی نہ کی اور وہ مرگیا۔ **فَهُوَ بَطَّالٌ**[۸] اس کی عمر ضائع گئی۔

غرض آپ نے بتایا کہ یہ تعلق گندہ نہیں بلکہ انسانی صحت اور دماغی ترقی کا منبع ہے۔ میاں بیوی گویا پاکیزہ محبت کا مدرسہ اور محبت کی پہلی کڑی ہیں اور اسلام نے یہ کہہ کر کہ یہ پاکیزہ تعلقات ہیں گناہ کے احساس کو مٹا دیا۔ گناہ کے احساس کی وضاحت کے لئے ایک مثال دے دیتا ہوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص کہیں سفر پر جا رہا ہے سٹیشن پر آکر گاڑی میں بیٹھ گیا بعد میں بیوی کو خیال آیا کہ میاں کو کھانے کی تکلیف ہوگی اس نے کھانا تیار کر کے کسی کے ہاتھ سٹیشن پر بھیج دیا۔ گاڑی روانہ ہو رہی تھی اور وہ بمشکل کھانے کو اس ڈبہ میں رکھ سکا جس میں

میاں بیٹھا ہے لیکن اسے اطلاع نہ دے سکا۔ دوران سفر میں اسے بھوک لگتی ہے اور وہ کھانا کھانے لگ جاتا ہے لیکن ساتھ ہی اسے یہ احساس ہے کہ ممکن ہے یہ کسی اور کا ہو۔ اس صورت میں اگرچہ کھانا اسی کا ہے لیکن اس احساس کی وجہ سے اس کے دل پر چوری کا زنگ لگتا جائے گا۔ تو اصل چیز احساس ہوتا ہے اور اسلام نے ان تعلقات سے گناہ کے احساس کو مٹا دیا۔ اور پھر یہ بتایا کہ شادی محبت کے اجتماع کا نام ہے اور چونکہ محبت جب پورے جوش پر ہو تمام دوسرے تعلقات دب جاتے ہیں اس لئے شریعت نے حکم دیا کہ جب میاں بیوی ملیں تو دعا کریں **اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا** [۹] یعنی اے اللہ ہمیں بھی شیطان سے بچا اور اس میل کے نتیجہ میں اگر کوئی اولاد ہونے والی ہے تو اسے بھی بچا۔ میاں بیوی کی محبت پاک ہی سہی مگر ایسا نہ ہو کہ ادنیٰ خیالات اعلیٰ پر غالب آ جائیں اور اس طرح محبت کے جذبات کے غلبہ کے باعث جس نقصان کا احتمال ہو سکتا تھا اس کا بھی انسداد کر دیا۔ پھر اس موقع پر جس قدر توجہ ایک دوسرے کی طرف ہوتی ہے اس کے نتیجہ میں روحانی طاقتیں باہر کی طرف جاتی ہیں۔ میاں بیوی کا یہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے میں جذب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایسی رو پیدا ہوتی ہے کہ دماغی توجہات کو ایک ہی طرف بدل دیتی ہے اس کے لئے اسلام نے غسل رکھا تا ایسا نہ ہو کہ دماغ اس طرف لگا رہے بلکہ جسم ٹھنڈا ہو کر بھاپ بند ہو جائے۔ گویا غسل ان نقائص کو دور کرنے کے لئے ہے جو باہم ملنے سے قدرتی طور پر پیدا ہو سکتے تھے۔ اور غسل کے ذریعہ پھر ان طاقتوں کو مجتمع کر دیا تا دوسری طرف ان کو لگایا جا سکے۔ پھر ان تعلقات کو محدود کیا۔ بعض حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں میاں بیوی کا آپس میں ملنا درست نہیں ہوتا۔ بعض شرائع نے ایسی حالت کو گند قرار دیا ہے اور تورات کا حکم ہے کہ جب عورت **حائضہ** ہو تو اسے الگ رکھا جائے اور ہاتھ تک نہ لگایا جائے۔ بعض نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر وقت مرد و عورت مل سکتے ہیں لیکن یہ دونوں باتیں تمدن کے لئے تباہ کن ہیں۔ اگر بالکل علیحدہ کر دیا جائے تو عورت حقیر اور ذلیل خیال کی جائے گی اور اگر ملنے کی اجازت ہو تو یہ دونوں کی صحت کے لئے تباہ کن ہے اس لئے اسلام نے یہ تعلیم دی کہ **ھُوَ اَذًی** [۱۰] تکلیف کی چیز ہے۔ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ لیکن عورت ایسی ہی پاک ہے جیسے تم۔ گویا ایک طرف تو علیحدگی کا حکم دیا تا قوتیں پھر نشوونما پائیں اور دوسری طرف گند کے نقصانات سے آگاہ کر دیا۔

پھر بہت سے فتنے اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ بعض مذاہب میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عورت کی روح اور ہے اور مرد کی اور بلکہ بعض عیسائیوں میں تو یہ خیال بھی ہے کہ عورت کی روح ہوتی ہی نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا مِنْ اَنْفُسِكُمْ[11] جیسی روح تمہاری ہے ویسی عورتوں کی ہے۔ اب دیکھو، کیسی امن کی تعلیم ہے عام طور پر اس لئے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے کہ مرد سمجھتے ہیں عورت میں حس ہوتی ہی نہیں اچھا کھانا، پہننا، سیرو تفریح سب اپنے لئے ہے۔ ایسے لوگ عورت کو جب چاہیں مار پیٹ لیں گے اور بلاوجہ اپنی سیادت جتاتے رہیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عورت میں حس نہیں۔ حضرت خلیفہ اول فرمایا کرتے تھے پنجاب میں تو عام طور پر عورت کو جوتی سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن کریم نے بتایا کہ مِنْ اَنْفُسِكُمْ تم میں اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح بُری بات تمہیں بُری لگتی ہے اس طرح اس کو بھی بُری محسوس ہوتی ہے اور اسے بھی تمہاری طرح ہی اچھی باتوں کی خواہش ہے۔

یہ مضمون تو بہت لمبا ہے اور ابھی میں نے اس کا پہلا حصہ ہی بیان کیا ہے مگر چونکہ مغرب کا وقت ہو چکا ہے اس لئے اسے بند کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ رسول کریم ﷺ کی اصلی شان کو دنیا میں پیش کر سکیں۔ تا وہ لوگ بھی جو اس سے اس وقت دور ہیں قریب ہو جائیں اور ساری دنیا اس اخوت میں پروئی جائے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ لڑائی جھگڑے دور ہو جائیں جنہوں نے ایک آدم کی اولاد کو دو کیمپوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ (الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۳۲ء)

---

[1] الجمعۃ:۲تا۵ [2] الشعراء:۴

[3] بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور

[4،5] النور:۳۶

[6] ابن ماجہ کتاب النکاح باب من زوج ابنتہ وھی کارھۃ، بخاری کتاب الحیل باب فی النکاح

[7] بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ

[8]

[9] بخاری کتاب الدعوات باب مایقول اذا اتی اھلہ

[10] البقرۃ:۲۲۳ [11] النحل:۷۳